لغات واعرابِ قرآن (۴۷)
پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرۃ (۳۱)

آیات ۴۷-۴۸

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳، اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے مثلاً ۲:۵:۱(۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲:۵:۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۲:۳۱ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ○
وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ○

۲:۳۱:۱ اللغۃ

[يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ـــ اذْكُرُوْا ـــ نِعْمَتِيَ ـــ الَّتِيْٓ ـــ اَنْعَمْتُ ـــ عَلَيْكُمْ]

اس حصۂ آیت کے تمام کلمات (جن کو یہاں ایک خطِ وقف (DASH) کے ذریعے الگ الگ کر دیا گیا

ہے) کی لغوی بحث اس سے پہلے البقرہ: ۴۰ یعنی [۲: ۴۰: ۱(۱-۴)] میں گزر چکی ہے۔ ترجمہ بھی وہیں دیکھ لیجئے۔

۲: ۱:۱۳۱) [وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ] یہ بنا ہے و (عاطفہ بمعنی "اور") + اَنِّی ("اَنَّ = "بے شک" اور "ی" "میں") + فَضَّلْتُ (اس پر ابھی بات ہوگی) + کُمْ (ضمیر منصوب بمعنی "تم کو" — کا مرکب ہے۔

[فَضَّلْتُ] کا مادہ "ف ض ل" اور وزن "فعّلتُ" ہے۔ اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد "فضَل یفضُل فَضْلاً (باب نصر سے) اور فضِل یفضَل فضلاً (باب سمع سے) آتا ہے۔ اور دونوں ابواب سے اس کے معنی یکساں ہیں یعنی (۱) "طلب یا حاجت سے کچھ زیادہ ہونا" یا (۲) (کسی بڑی مقدار میں سے تھوڑی سی مقدار کا) "باقی بچ رہنا"۔ مثلاً کہتے ہیں "خُذْ ما فضِل" (جو زائد ہے وہ لے لو)۔ یا "فضَل منَ المالِ کذا" (مال میں سے اتنا بچ رہا)۔ اور باب نصر سے "فضَلَهٗ" یا "فضَل علیه" کے معنی "وہ اس پر فضیلت (بڑا درجہ) پا گیا" بھی ہوتے ہیں۔ تاہم قرآن کریم میں اس فعل ثلاثی مجرد کے کسی باب سے اور کسی معنی میں کوئی صیغۂ فعل کہیں بھی استعمال نہیں ہوا۔

"فضّلتُ" (زیر مطالعہ کلمہ) اس مادہ سے باب تفعیل کا فعل ماضی صیغہ واحد متکلم ہے۔ اس باب سے فعل "فضّل ..... یُفضّل تفضیلاً" کے معنی ہوتے ہیں ..... کو فضیلت (بڑا درجہ) دینا یا بخشنا" ..... کو بزرگی دینا / "بڑائی دینا / فوقیت دینا" — جس کو فضیلت (بزرگی) دی جائے (خیال رہے یہ لفظ (فضیلت) خود اسی مادہ (فضل) سے ماخوذ ہے اور اردو میں عام مستعمل ہے) وہ مفعول بنفسہ (منصوب) آتا ہے — اور جس پر کسی کو (فضیلت دی جائے (جسے فعل "فضّل" کا مفعول ثانی بھی کہہ سکتے ہیں) اس سے پہلے "علی" کا صلہ آتا ہے اور یہ فعل (فضّل) ہمیشہ اس (مفعول ثانی) کے ذکر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے مثلاً کہیں گے "فضّل فلاناً علی فلانٍ (اس نے فلاں کو فلاں پر فضیلت دی) — اور قرآن کریم میں ہے "وفضّل اللّٰہُ المجاھدین علی القاعدین" (النساء: ۹۵) اس طرح "فضّلتکم" کا ترجمہ ہوگا "میں نے فضیلت دی تم کو" جس کا دوسرے مترادف الفاظ سے بھی ترجمہ کیا گیا ہے — قرآن کریم میں اس مادہ (فضل) سے باب تفعیل کے افعال کے مختلف صیغے سترہ (۱۷) جگہ آئے ہیں' باب تفعّل سے صرف ایک صیغۂ فعل اور مختلف اسماء و مصادر (فضل تفضیل) مختلف صورتوں اور حالتوں میں ۸۳ جگہ وارد ہوئے ہیں۔

[عَلَی الْعٰلَمِیْنَ] میں "علی" تو حرف الجر ہے جس کے معانی و استعمالات پر [۱: ۶: ۱(۳)] میں بات ہوئی تھی — اور "العالمین" (یہ اس لفظ کی املاء معتاد ہے اس کے رسم عثمانی پر آگے بات ہوگی) کے

مادہ (ع ل م) وزن (فاعلین) اوراس سے فعل کے استعمال و معانی وغیرہ پر اور خود اس لفظ (العالمین) کے معنی پر الفاتحہ :۱ [۱:۲:۱(۴)] میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔

● زیر مطالعہ آیت میں "العالمین" کا ترجمہ صرف 'جہان' یا "سارے جہانوں" کی بجائے "جہان والوں" "جہان کے لوگوں" اور "دنیا جہان والوں" سے کیا گیا ہے اس لیے کہ بعض "لوگوں" کو دوسرے "لوگوں" پر ہی فضیلت کا ذکر ہے۔ بعض حضرات نے "علی العالمین" کا ترجمہ "سارے زمانہ پر" کیا ہے۔ جسے صرف اُردو محاورے کے لحاظ سے ہی درست کہا جا سکتا ہے ورنہ اصل لفظ سے تو (یہ ترجمہ) ہٹ کر ہی ہے۔ آیت میں فضیلت کی نوعیت اور لفظ "العالمین" کی معنوی وسعت (کہ ال "جنس" کا ہے یا "عہد" کا ہے) وغیرہ کی وضاحت کے لیے کسی اچھی تفسیر کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

[وَاتَّقُوْا] کی ابتدائی "وَ" تو عاطفہ (بمعنی "اور") ہے اور "اتَّقُوْا" کا مادہ "وق ی" اور وزن اصلی "اِفْتَعِلُوْا" ہے اس کی اصلی شکل "اِوْتَقِيُوْا" تھی جس میں دو تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں (۱) مثال وادی (وقی) کی "و" باب افتعال میں (جیساکہ یہ فعل "اوتقیوا" ہے) "ت" میں بدل جاتی ہے اور پھر دونوں "ت" باہم مدغم ہو کر ابتدائی حصہ (اوْتَ) "اِتَّ" ہو جاتا ہے۔ (۲) اور آخری حصہ (قِيُوْا) میں واو الجمع سے ماقبل والی "یاء" (جو لام کلمہ ہے) گر جاتی ہے اور اس سے ماقبل والا "ق" (جو عین کلمہ ہے) مکسور ہونے کے باعث اس کی کسرہ (ـِ) ضمہ (ـُ) میں بدل کر بولی جاتی ہے۔ اس طرح یہ آخری حصہ (قِيُوْا) "قُوْا" رہ جاتا ہے اور یوں پورا لفظ "اتَّقُوْا" کی شکل میں لکھا اور بولا جاتا ہے۔

● جیساکہ اوپر وزن سے معلوم ہو گیا، یہ لفظ (اتقوا) باب افتعال سے فعل امر کا صیغہ جمع حاضر مذکر ہے —— اس مادہ (وق ی) سے فعل مجرد کے باب اور معنی وغیرہ کے علاوہ اس مادہ سے باب افتعال کے فعل (اتقی یتقی اتقاء) کے وزن و شکل اور اس میں واقع ہونے والی صرفی تعلیل نیز اس کے معانی (بچنا، بچ کے رہنا، پرہیز کرنا وغیرہ) پر البقرہ: ۲ [۲:۱:۱(۷)] میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔

یہاں (زیر مطالعہ آیت میں) "اِتَّقُوْا" کا ترجمہ بیشتر حضرات نے "ڈرو، ڈرتے رہو" سے ہی کیا ہے۔ اگرچہ بعض نے اصل بنیادی معنوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے "بچو" سے بھی ترجمہ کیا ہے۔

[يَوْمًا] کا مادہ "ی و م" اور وزن "فَعْلًا" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد وغیرہ اور خود لفظ "یوم" کے معانی (دن وغیرہ) الفاتحہ :۴ یعنی [۱:۳:۱(۲)] میں بیان ہو چکے ہیں۔ اس پر مزید بحث "الاعراب" میں ہوگی۔

۲:۳۱:۱(۲) [لَا تَجْزِيْ] کی ابتدائی "لَا" تو نفی فعل کے لیے ہے (بمعنی "نہیں یا نہ") اور "تَجْزِيْ"

کا مادہ "ج ز ی" اور وزن اصلی "تَفَعِلُ" ہے۔ اس کی اصلی شکل "تَجْزِیُ" تھی۔ مگر ناقص مادہ سے (جیسا کہ جزی ہے) فعل مضارع میں اگر عین کلمہ مکسور ہو تو آخری "یاء" (ی) ساکن کر کے لکھی اور بولی جاتی ہے اس طرح یہ صیغہ فعل "تجزِی" (بروزن "تَفْعِی") رہ جاتا ہے۔ اور یہ اس فعل مضارع سے صیغہ واحد مؤنث غائب ہے۔

● اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد "جزَی ۔ ۔ ۔ یجزِی جزاءً" (دراصل جزَیَ یجزِیُ جزایًا) باب "ضرب" سے آتا ہے اور ہمیشہ بطور متعدی اور مختلف معانی کے لیے مختلف طریقوں سے استعمال ہوتا ہے۔

(۱) اس فعل کے بنیادی معنی تو ہیں "۔ ۔ ۔ کو (اچھا یا بُرا) بدلہ دینا، جزاء دینا" (آپ نے دیکھ لیا کہ لفظ "جزاء" خود اسی فعل کا عربی مصدر ہے جو اردو میں اپنے اصل عربی معنی کے ساتھ مستعمل ہے) اس فعل میں بدلے کا اچھا یا بُرا ہونا سیاقِ عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کا مفعول (جس کو جزاء دی جائے بغیر صلہ کے (یعنی بنفسہ اور منصوب) آتا ہے جیسے "کذلک نجزی المحسنین (الانعام: ۸۴ وغیرہ) اور "کذلک نجزی الظالمین (یوسف: ۷۵ وغیرہ) ـــــ اور کبھی اس فعل کا دوسرا مفعول بھی مذکور ہوتا ہے (یعنی جو چیز جزاء یا بدلہ میں دی جائے) اور یہ مفعول ثانی بھی بغیر صلہ کے (یعنی مفعول بنفسہ منصوب) آتا ہے، جیسے: "جزاھم ۔ ۔ ۔ جنۃ" (الدہر: ۱۲) : "اس نے دی بدلے میں ان کو ۔ ۔ ۔ جنت" اور جیسے "نَجْزِیْہِ جَھَنَّمَ (الانبیاء: ۲۹) : "ہم دیں گے بدلے میں اس کو دوزخ" ـــــ میں ہے۔

(۲) کبھی اس فعل (جزَی ۔ ۔ ۔ یجزِی) کے معنی ہوتے ہیں "۔ ۔ ۔ کے کام آنا ۔ ۔ ۔ کو کفایت کرنا ۔ ۔ ۔ کو کافی ہو رہنا ۔ ۔ ۔ کا بدلہ بننا یا بن سکنا" ـــــ اس صورت میں بھی اس کا مفعول (جس کے کام آیا، جس کو کافی ہو رہا، جس کا بدلہ بنا) عموماً براہِ راست منصوب (بغیر صلہ کے) ہی آتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں: "جزَی الشیئُ فلانًا" (وہ چیز فلاں کو کافی ہو رہی / کے کام آئی / کا بدلہ بن گئی) ـــــ اور کبھی اس معنی کے لیے مفعول سے پہلے "عَنْ" کا صلہ لگاتے ہیں مثلاً یوں بھی کہہ سکتے ہیں: "جزَی الشیئُ عن فلانٍ" (وہ چیز فلاں کے کام آئی / کافی ہو رہی / کا بدلہ بن گئی) اور آیتِ زیرِ مطالعہ میں بھی "لا تجزِی نفسٌ عن نفسٍ" اسی استعمال کی ایک مثال ہے جس کی مزید وضاحت ابھی آئے گی۔

(۳) کبھی "جزَی ۔ ۔ ۔ یجزِی" کے معنی "۔ ۔ ۔ کا حق یا قرض یا مطالبہ ادا کرنا" بھی ہوتے ہیں۔

یعنی یہ "قضَی یقضی" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہیں گے: "جزَیتُ فلانًا حقَّہُ/ قرضَہٗ" (میں نے فلاں کو اس کا حق یا قرض ادا کر دیا۔ اور کبھی اس معنی کے لحاظ سے مفعولِ اوّل (جس کی ادائیگی کی جائے) پر "عَنْ" کا صلہ بھی لگتا ہے مثلاً یوں بھی کہہ سکتے ہیں: "جزَیتُ عَن فلانٍ حقہ/ قرضہ" (میں نے فلاں کو اس کا حق یا قرض ادا کر دیا) اور اس استعمال کی مثال بھی زیرِ مطالعہ آیت کی اسی عبارت "لَا تَجْزِی نَفْسٌ عَن نَفْسٍ شَیْئًا" میں موجود ہے۔ (مزید وضاحت ابھی آگے آئے گی)۔

● اس طرح فعل "جزَی ..... یجزِی" کے مذکورہ بالا معانی اور مواقع استعمال (خصوصاً ۲ اور ۳) کو سامنے رکھتے ہوئے اُردو مترجمین نے یہاں "لَا تجزِی" (جو فعل مضارع کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے مگر اُردو میں اس کا ترجمہ محاورہ کی خاطر مذکر کی صورت میں کرنا پڑتا ہے) کا ترجمہ "کفایت نہ کرے گا، کچھ کام نہ آئے گا، مطالبہ ادا نہ کرے گا، بدلہ نہ ہو سکے گا" کی صورت میں کیا ہے۔

[نَفْسٌ عَن نَفْسٍ شَیْئًا] لفظ [نَفْسٌ] جس کا ترجمہ یہاں "کوئی"، "کوئی شخص/ آدمی" کیا جا سکتا ہے۔ اس کلمہ کے مادہ، وزن، معنی اور اس سے فعل مجرد وغیرہ کے بارے میں البقرہ: ۹ [۲: ۸: ۱ (۳)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔

[عَن نَفْسٍ] میں ابتدائی "عَنْ" وہ صلہ ہے جو خاص معنی دینے کے لیے فعل "جزَی ... یجزِی" کے مفعول اوّل پر لگتا ہے (دیکھئے اوپر "لَا تجزِی" کی لغوی بحث [۲: ۳۱: ۱ (۲)] میں (۳) اور یہاں کلمہ "نفس" (جس کی لغوی بحث البقرہ: ۹ [۲: ۸: ۱ (۳)] میں گزر چکی ہے) اس فعل (لاتجزی) کے دوسرے مفعول کے طور پر آیا ہے۔ یہاں اس ترکیب (عن نفسٍ) کا لفظی اُردو ترجمہ تو بنتا ہے "کسی کی طرف سے" جسے مزید بامحاورہ بنانے کے لیے مترجمین نے اسے: "کسی کو، کسی کے، کسی کا، کسی کے حق میں اور کوئی یا کسی" کی شکل میں ترجمہ کیا ہے۔

[شَیْئًا] یہ "شیئٌ" کی منصوب صورت ہے (نصب کی وجہ "الاعراب" میں بیان ہو گی) کلمہ "شَیْئٌ" کے مادہ، وزن (فَعْلٌ) اور اس سے استعمال ہونے والے فعل مجرد کے معانی وغیرہ پر البقرہ: ۲۰ [۲: ۱۵: ۱ (۸ اور ۱۰)] میں بات ہو چکی ہے۔ یہاں عبارت میں (جس کی ترکیب نحوی کی وضاحت آگے "الاعراب" میں آئے گی) اس کلمہ "شَیْئًا" کا بامحاورہ ترجمہ "کچھ، ذرہ بھر، اور کچھ بھی" کی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ لفظی ترجمہ تو "کوئی چیز" بنتا ہے۔

۲: ۳۱: ۱ (۳) [وَلَا یُقْبَلُ] "وَ" عاطفہ (بمعنی "اور") اور "لَا" نافیہ (بمعنی "نہ") ہے۔ اور "یُقْبَلُ" کا

مادہ "ق ب ل" اور وزن "یُفعَلُ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد مختلف ابواب سے اور مختلف مصادر کے ساتھ مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے جن میں صرف چند ایک درج کیے جاتے ہیں مثلاً (۱) قبَل یَقبُل قَبلاً (نصر سے) کے معنی "آجانا" یا "(ہوا کا) چل پڑنا" ہیں مثلاً کہتے ہیں "قبَل اللیلُ او الشهرُ" (رات آگئی یا مہینہ آگیا) اور اسی کے معنی "منہ کے سامنے رکھنا" بھی ہیں مثلاً کہتے ہیں "قبَل المکانَ" (اس نے اس جگہ کو سامنے رکھا) اور اسی معنی سے لفظ "قِبلة" ماخوذ ہے۔ اور اسی باب سے "علی" کے صلہ کے ساتھ اس کے معنی "...... میں لگ جانا" بھی ہوتے ہیں مثلاً کہتے ہیں "قبَل علی العملِ" (وہ جلدی سے کام میں لگ گیا)۔ (۲) "قبِل یقبَل قَبالةً" (سمع سے) کے معنی ہیں "کفیل یا ضامن بننا" اس کے ساتھ عموماً "بِ" کا صلہ لگتا ہے مثلاً کہتے ہیں "قبِل بِفلانٍ" (وہ فلاں کا ضامن بن گیا)۔ اور اسی باب سے (بغیر صلہ کے) یہ "بچّہ کو ہاتھ میں لینا" کے معنی دیتا ہے اور اسی معنی کے لحاظ سے دائی (Midwife) کو "قابِلہ" کہتے ہیں۔ عربی میں کہتے ہیں: "قَبِلتِ القابلةُ الولدَ" (دائی نے بوقت پیدائش بچّہ ہاتھ میں پکڑا) اور اگر کہیں "قَبِلتِ المرأةُ" تو اس کے معنی ہوتے ہیں "وہ عورت دائی بن گئی"۔ اور (۳) اسی باب (سمع) سے "قبِل ...... یقبَل قَبُولاً" کے معنی ہیں: "...... کو قبول کرنا، ...... کو (خوشی سے) لینا، (دعا) قبول کرنا، (ہدیہ) قبول کرنا"۔ قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے صرف تیسرے معنی (قبول کرنا) میں سات جگہ مختلف صیغے (فعل کے) وارد ہوئے ہیں۔ ثلاثی مجرد کے علاوہ اس مادہ (قبل) سے بابِ افعال کے صیغہ ہائے فعل ۹ جگہ اور بابِ تفعل کے صیغے دس (۱۰) جگہ آئے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف جامد اور مشتق اسماء اور مصادر بھی بیس سے زیادہ مقامات پر آئے ہیں۔

● "لا یُقبَل" اس فعل مجرد سے فعل مضارع مجہول صیغہ واحد مذکر غائب ہے اس کا لفظی ترجمہ تو "قبول نہ کیا جائے گا" ہے۔ جسے بامحاورہ کرنے کے لیے مترجمین نے "قبول نہ ہو"، "نہ قبول ہو سکتی ہے"، "نہ مانی جائے" اور "نہ منظور ہو" کی صورت بھی دی ہے۔

[مِنهَا] "مِن" کے معانی و استعمالات پر [۲ : ۲ : ۱ (۵)] میں بات ہو چکی ہے۔ اس طرح یہاں "مِنها" کا ترجمہ "اس سے، اس کی طرف سے، اس کی جانب سے، اس کے حق میں اور اس کے لیے" کی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ تنوع فعل (نہ یُقبَلُ) کے متنوع ترجمہ سے پیدا ہوتا ہے اوپر دیکھئے "لا یُقبَل" کے مختلف ترجمے۔ جن سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کے کس ترجمہ کے ساتھ "مِنها" کا کون سا ترجمہ مناسب لگتا ہے یعنی فٹ بیٹھتا ہے۔

۲ : ۳۱ : ۱ (۴) [شَفَاعَةٌ] کا مادہ "ش ف ع" اور وزن "فَعَالَةٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "شفَع یشفَع" (باب فتح سے) آتا ہے اور مختلف مصادر اور صلات کے ساتھ مختلف معنی دیتا ہے مثلاً (۱) شفَع..... یشفَع شَفعًا کے ایک معنی ہیں "..... کے ساتھ ویسی ہی ایک اور شے ملانا یعنی طاق (عدد) کو جفت (عدد) بنا دینا" مثلاً کہتے ہیں: شفَع الشَیئَ شَفعًا (اس نے چیز کا جوڑا بنا دیا)۔ اور اسی فعل کے ایک معنی کسی کو حقِ شفعہ (جائداد کی خرید میں قانوناً حق فوقیت) دینا بھی ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں "شفَع جارَہ یا بجارہ" (اس نے پڑوسی کو حقِ شفعہ دیا)۔ (۲) اور "شفَع یشفَع شفاعۃً" کے معنی ہیں "سفارش کرنا" پھر ان معنوں کے لیے یہ فعل کئی صلات کے ساتھ (مختلف مفہوم کے لیے) استعمال ہوتا ہے مثلاً (الف) "شفَع لہ / ولزیدٍ" کا مطلب ہے "اس نے اس کے یا زید کے حق میں سفارش کی" یعنی "لِ" کا صلہ "..... کے حق میں ..... کے لیے" کا مفہوم دیتا ہے۔ (ب) اور "شفَع فی الامر" کا مطلب ہے "اس نے اس معاملے میں سفارش کی" یعنی "فی" کا صلہ اس کام پر آتا ہے جس کے بارے میں سفارش کی جائے (ج) اور "شفَع اِلٰی فلانٍ" کا مطلب ہے "اس نے فلاں کی سفارش طلب کی یعنی اس سے سفارش چاہی" اور (د) "شفَع عندَہ" کا مطلب ہے "اس نے اس کو (سے) سفارش کی۔ مثلاً آپ ان سب استعمالات کو یوں جمع کر سکتے ہیں۔ "شفَع زیدٌ اِلٰی بکرٍ فشفَع بکرٌ لزیدٍ فی امر توظیفہ عند صدیقہ" (زید نے بکر سے سفارش طلب کی پس بکر نے زید کے لیے اس کی ملازمت کے بارے میں اپنے دوست کو سفارش کی۔

● یہ فعل بعض دیگر معانی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے تاہم قرآن کریم میں یہ فعل صرف مندرجہ بالا دوسرے معنی (سفارش کرنا) کے لیے ہی استعمال ہوا ہے۔ اور اس کے لیے اس فعل مجرد کے صیغے پانچ جگہ آئے ہیں اور قرآن میں اسی فعل کا استعمال صرف "عندَ" اور "لِ" کے ساتھ ہی ہوا ہے جیسے "..... یشفَع عندَہ" (البقرہ : ۲۵۵) اور "..... فیشفعوا لنا" (الاعراف : ۵۳) — "فی' بِ یا الی کے ساتھ اس کا استعمال قرآن میں نہیں آیا۔ البتہ بعض دفعہ یہ فعل کسی بھی صلہ کے بغیر استعمال ہوا ہے یعنی یہ مذکور نہیں ہوتا کہ کس کی سفارش ہے کس کے پاس ہے کس چیز کے بارے میں ہے جیسے "مَن یشفَع شفاعۃً" (النساء : ۸۵) میں ہے ایسے موقع پر سیاقِ عبارت سے مفہوم کا پتہ چلتا ہے۔ بعض دفعہ صرف ایک صلہ ہوتا ہے مثلاً کس کے ہاں ہے بیان ہوتا ہے مگر کس کے لیے اور کیوں ہے وغیرہ کا جواب سیاقِ عبارت سے ملتا ہے۔

● زیر مطالعہ لفظ (شفاعۃ) اس فعل کے ان (سفارش والے) معنوں کا مصدر ہے اس کا اُردو ترجمہ

سب نے سفارش ہی کیا ہے البتہ بعض نے اس کی تنکیر (نکرہ ہونا) کی بنا پر "کوئی سفارش، کچھ سفارش، کسی قسم کی سفارش" سے ترجمہ کیا ہے جس سے مفہوم میں ایک زور پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ زیادہ بہتر ترجمہ ہے۔ قرآن کریم میں اس مادہ (شفع) سے فعل مجرد کے سات صیغوں کے علاوہ بعض اسمائے مشتقہ اور مصادر (شافع، شفیع، شفع، شفعاء اور شفاعة) پچیس کے قریب مقامات پر آئے ہیں اور خود لفظ "شفاعة" مختلف صورتوں اور حالتوں میں بارہ (۱۲) جگہ آیا ہے۔

۲:۳۱:۱(۵) [وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا] ابتدائی "وَ" عاطفہ (بمعنی "اور") ہے اور "لا" برائے نفی فعل (بمعنی "نہ") ہے۔ "لا" کی تکرار ("لا تجزی"، "لا یقبل اور "لا یؤخذ" میں) کی بنا پر یہاں "وَلَا" کا بامحاورہ ترجمہ "اور نہ ہی" ہوگا۔ اگرچہ بعض مترجمین نے اس کا خیال نہیں کیا۔ آخری "منھا" کا ترجمہ ابھی اوپر گزر چکا ہے۔

[يُؤْخَذُ] کا مادہ "أ خ ذ" اور وزن "يُفْعَلُ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد زیادہ تر "أَخَذَ.... يَأْخُذُ اَخْذًا" (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی ہیں "....کو لینا.....کو پکڑ لینا"۔ یہ فعل ہمیشہ متعدی اور مفعول بنفسہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے البتہ بعض دفعہ اس کا مفعول محذوف ہوتا ہے پھر اس سے حسبِ موقع کئی مجازی اور محاوراتی معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: "گرفتار کرنا، سزا دینا، مار ڈالنا، قید کر لینا، ..... پر غلبہ پانا، .....کو قابو کرنا، .....کو ہلاک کرنا، ..... پر کاربند ہونا، مصیبت ڈھانا، چھین لینا، ہاتھ میں لینا اور (پہلے سے) انتظام کر لینا" وغیرہ۔ ان میں سے بہت سے استعمالات قرآن کریم میں وارد ہوتے ہیں۔ جو اپنے اپنے موقع پر ہمارے سامنے آئیں گے۔

—— عام عربی زبان میں یہ فعل باب سمِعَ اور کرُم سے بھی بعض دیگر معانی (مثلاً دودھ کا بگڑ جانا وغیرہ) کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ تاہم یہ استعمال قرآن کریم میں کہیں نہیں آیا۔

● زیر مطالعہ لفظ "لا يُؤْخَذُ" اس فعل مجرد سے فعل مضارع مجہول صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ اور اس کا لفظی ترجمہ ہے "نہ لیا جائے گا" جس کے لیے بامحاورہ صورتیں "نہ لیا جائے، نہ لیں، نہ لیں گے" اختیار کی گئی ہیں اور بعض نے تو اس کا ترجمہ بھی "قبول نہ کیا جائے گا" ہی کر دیا ہے جو اصل لفظ سے ہٹ کر ہے۔ "مِنْهَا" کا ترجمہ بیان ہو چکا ہے یہ (أخذ یأخذ) ایک کثیر الاستعمال فعل ہے جس سے صرف فعل مجرد کے مختلف صیغے قرآن کریم میں ۱۲۷ جگہ آئے ہیں۔ اس کے علاوہ مزید فیہ کے بابِ مفاعلہ سے مختلف صیغہ ہائے فعل ۹ جگہ اور باب افتعال کے صیغے ۱۲۶ جگہ آئے ہیں، اور ثلاثی مزید فیہ سے مختلف اسمائے مشتقہ اور مصادر بھی قریباً ۱۲ جگہ وارد ہوتے ہیں۔

۲ : ۳۱ : ۱ (۶) [عَدْلٌ] کا مادہ واضح ہے یعنی "ع د ل" اور وزن "فَعْلٌ" ہے۔ اس سے فعل مجرد "عدَل ..... یعدِل" زیادہ تر "باب ضرب سے" اور مختلف مصادر (بلکہ بعض دفعہ ایک ہی مصدر) کے ساتھ مختلف معنی کے لیے اور لازم متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے مثلاً (۱) عدَل ... یعدِل عَدْلاً کے ایک معنی ہیں "... کو سنوارنا یا ٹھیک ٹھاک کرنا" جیسے "فسوّاك فعدلك" (الانفطار : ۷) میں ہے ــــ یہ متعدی استعمال ہے (۲) عدَل یعدِل عَدْلاً وعَدالۃً" کے معنی ہیں "عدل وانصاف سے کام لینا اسی سے اسم فاعل "عادِلٌ" ہے اور جن کے درمیان انصاف کیا جائے اس کے لیے فعل کے بعد بَیْنَ .... (کے درمیان) آتا ہے جیسے "..... اَن تعدِلوا بینَ النساء (النساء : ۱۲۹) اور کبھی یہ فعل اس موقع عدل کے ذکر کے بغیر بھی آتا ہے جس میں "کن کے ساتھ یا کن کے درمیان انصاف" کا ذکر تو نہیں ہوتا مگر سیاقِ عبارت سے سمجھا جاتا ہے۔ جیسے "اِعْدِلوا ھواقرب للتقویٰ (المائدہ : ۸) میں ہے۔ (۳) اور اسی "عدَل یعدِلُ" کے ایک معنی "معاوضہ دینا، بدلہ میں دینا" ہیں جیسے وإنْ تَعْدِلْ کلَّ عدلٍ (الانعام : ۷۰) میں ہے ــــ (۴) اور "عدل یعدِل عدُولاً" کے معنی "مڑجانا، ہٹ جانا" بھی ہوتے ہیں اور یہ عموماً "عَنْ" کے ساتھ استعمال ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں۔ "عدَل عن الطریقِ" (وہ راستے سے مڑ گیا یا ہٹ گیا) اور کبھی یہ "عَنْ" محذوف ہوتا ہے جیسے "بل ھــم قوم یعدِلون" (النحل : ۶۰) میں ہے (۵) اور کبھی یہ "ب" کے صلہ کے ساتھ "کے برابر قرار دینا" کے معنی دیتا ہے مثلاً کہتے ہیں "عدَل الشیئَ بالشیئِ یا عدَل فلانًا بفلانٍ (چیز کو چیز کے برابر یا فلاں کو فلاں کے برابر جانا) اور اسی سے یہ فعل "شرک کرنا" کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے "وھُم بربھم یعدِلون" (الانعام : ۱۵۰) میں ہے۔

- اس فعل (عدل یعدِلُ) کے یہ (مذکورہ بالا) وہ استعمالات ہیں جو قرآن کریم میں آئے ہیں اس کے علاوہ یہی فعل اس باب (ضرب) سے بھی اور باب "سمِع" اور "کرُم" سے بھی بعض دیگر معانی کے لیے آتا ہے مگر یہ استعمالات قرآن کریم میں نہیں آئے۔ قرآن کریم میں صرف فعل مجرد کے مختلف صیغے ۱۴ جگہ آئے ہیں۔ اس مادہ سے کوئی مزید فیہ فعل قرآن میں نہیں آیا۔
- زیر مطالعہ لفظ (عَدْلٌ) اس فعل مجرد سے مصدر (بمعنی انصاف کرنا، برابر کرنا وغیرہ) بھی ہے اور اسم (بمعنی انصاف، برابری وغیرہ) بھی۔ یہ لفظ قرآن کریم میں قریباً ۱۵ دفعہ آیا ہے اور یہ "انصاف، برابر، بدلہ، عوض یا فدیہ" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ سیاقِ عبارت ہی سے مفہوم متعین ہوتا ہے۔ یہاں (زیر مطالعہ آیت میں) اس لفظ (عدلٌ) کا ترجمہ "معاوضہ، کچھ بدل، بدلے میں کچھ" کیا گیا ہے اور

بعض نے "لا یؤخذ منھا عدلٌ" کا مجموعی بامحاورہ ترجمہ "نہ کچھ لے کر جان چھڑائی جائے" کر دیا ہے یہ ایک طرح تفسیری ترجمہ ہے جو "اخذ عدل" (معاوضہ لینا) کی وجہ یا مقصد (جان چھڑانا) کے بیان پر مبنی ہے۔ بلحاظ محاورہ مفہوم درست سہی مگر یہ ترجمہ اصل الفاظ سے بہر حال ہٹ کر ہے۔ کیونکہ یہاں "جان چھڑانا" کے لیے کوئی لفظ نہیں ہے اگرچہ مفہوم موجود ہے۔

۲:۳۱:۱(۷) [وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ] یہ جملہ "وَ" (اور) + "لَا" (نہ ہی) + "هُمْ" (وہ لوگ) + "يُنْصَرُونَ" (جس پر ابھی بات ہوگی) کا مرکب یا مجموعہ ہے۔

[يُنْصَرُونَ] کا مادہ "ن ص ر" اور وزن "يُفْعَلُونَ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "نصَر . . . . ینصُر نصرًا" آتا ہے (جس سے باب کا نام لیا گیا) اور اس کے بنیادی معنی ہیں "۔ . . . کی مدد کر کے کامیاب کر دینا" اور اس میں "دشمن کو دُور کرنے" کا مفہوم موجود ہوتا ہے۔ جس کی مدد کی جائے وہ تو مفعول بنفسہٖ آتا ہے اور "جس کے مقابلے پر مدد دی جائے یا جس دشمن سے نجات دلائی جائے" اس پر "علی" یا "مِنْ" کا صلہ لگتا ہے جیسے "فانصُرنا علی القوم الکافرین" (البقرہ: ۲۸۶) اور "ونصرناہ مِنَ القوم الذین کذبوا . . ." (الانبیاء: ۷۷) میں آیا ہے۔ البتہ یہ "مِن" یا "علی" مع مجرور عموماً محذوف (غیر مذکور) ہوتا ہے۔ زیادہ تر صرف مفعول (جس کو مدد دی جائے) ہی مذکور ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ تو وہ (مفعول) بھی محذوف ہوتا ہے جیسے والذین آوَوا ونصَروا (الانفال: ۷۲، ۷۴) میں ہے۔

● قرآن کریم میں اس فعل مجرد کے مختلف صیغے قریباً ساٹھ جگہ وارد ہوئے ہیں۔ اور زیادہ تر یہ صرف مفعول بنفسہٖ کے ساتھ آئے ہیں صرف دو جگہ مفعول محذوف آیا ہے اور "مِن" . . یا "علی" . . . کے ساتھ صرف آٹھ جگہ استعمال ہوا ہے۔ اور ۳۱ جگہ اس سے صرف فعل مجہول کے صیغے آئے ہیں۔ مجرد کے علاوہ مزید فیہ کے ابواب تفاعل، افتعال اور استفعال سے صیغۂ فعل دس جگہ اور مختلف مصادر واسماء مشتقہ ۵۷ مقامات پر وارد ہوئے ہیں جن پر حسب موقع بات ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● زیر مطالعہ لفظ (يُنْصَرُونَ) اس فعل مجرد سے فعل مضارع مجہول صیغہ جمع مذکر غائب ہے اور اس مکمل جملے (وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ) کا لفظی ترجمہ بنتا ہے: "اور نہ ہی وہ مدد دیئے جائیں گے" اور اسی کو بامحاورہ کرنے کے لیے مترجمین نے "نہ ان کی مدد ہو"۔ "نہ کچھ امداد پہنچے گی/ ملے گی، نہ ہی انہیں مدد پہنچ سکے گی، اور نہ ہی مدد حاصل کر سکیں گے، اور نہ ہی طرف داری چل سکے گی" کی صورت میں ترجمہ کیا ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کون سا ترجمہ اصل عبارت سے کتنا ہٹا ہوا ہے اور ایک مطلب ہوتے ہوئے کس مفہوم میں محاورہ نے زیادہ زور پیدا کیا ہے ؟۔

۲ : ۳۱ : ۲ الاعراب

زیرِ مطالعہ دو آیات کی ابتدا، حرفِ ندا سے ہوئی ہے اس لحاظ سے یہ سب ایک ہی طویل جملہ انشائیہ بنتا ہے۔ تاہم نحوی ترکیب کی آسانی کے لیے اس قطعہ کو سات جملوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جن کو واو عاطفہ کے ذریعے باہم ملا کر ایک ہی (مضمون پر مشتمل) طویل جملہ بنا دیا گیا ہے۔ تفصیل اعراب یوں ہے:

① یابنی اسـرائیل: (یہ رسم املائی ہے رسم قرآنی آگے زیرِ بحث آئے گا) [یا] حرفِ ندا اور [بنیٓ] منادی مضاف ہے اس لیے منصوب ہے علامتِ نصب آخری یا، ماقبل مکسور (ـِی) ہے۔ یہ دراصل بَنِـین (جمع ابن) تھا جس کا آخری (اعرابی) "ن" بوجہ اضافت گر گیا ہے [اسـرائیل] مضاف الیہ (بنیٓ کا) لہٰذا مجرور ہے علامت جر "ل" کی فتحہ (ـَ) ہے کیونکہ یہ لفظ غیر منصرف ہے اور غیر منصرف اس لیے ہے کہ یہ لفظ عجمی بھی ہے اور علَم (نام) بھی ہے۔ اس لفظ (اسـرائیل) کے مختلف لغات (قبائلی استعمال) پر [۲ : ۲۸ : ۱] میں بات ہو چکی ہے۔

② اُذکـرُوانعـمتِیَ التی اَنعـمتُ علیکم:

[اذکروا] فعل امر مع ضمیر الفاعلین "انتـم" ہے جس کی علامت واوالجمع ہے [نعمتی] مضاف (نعـمة) اور مضاف الیہ (ی ضمیر متکلم) مل کر "اذکـروا" کا مفعول (لہٰذا) منصوب ہے "نِعـمَةَ" کی علامتِ نصب (ۃ کی فتحہ) یائے متکلم کی طرف مضاف ہونے سے غائب ہو گئی ہے بلکہ کسرہ (ـِ) میں بدل گئی ہے۔ یائے متکلم کو آگے ملانے کے لیے ہمیشہ فتحہ (ـَ) دی جاتی ہے اس لیے یہاں "نِعْمَتِیْ" کو "نِعـمَتِیَ" پڑھا جاتا ہے [التی] اسم موصول برائے واحد مؤنث ہے جو اپنے صلہ کے ساتھ (جو آگے آ رہا ہے) مل کر "نعـمتی" کی صفت ہو گا اس لیے یہاں "التی" محلاً نصب میں ہے جس میں مبنی ہونے کی وجہ سے کوئی ظاہری اعرابی علامت نہیں ہے [انعـمتُ] فعل ماضی معروف مع ضمیر الفاعل (انا) ہے اور یہاں اس فعل کا مفعول اول محذوف ہے گویا تقدیراً (دراصل) عبارت "انعـمتُها" یا "انعـمتُ بها" تھی جس میں "ها" التی کی ضمیر عائد ہے [علیکم] جار (علی) مجرور (کم) مل کر "انعـمتُ" کے مفعول ثانی کا کام دے رہا ہے اور یہ فعل فاعل مفعول (انعمتُ علیکم) "التی" کا صلہ ہے اور صلہ موصول مل کر "نعـمتی" کی صفت ہے اس طرح یہاں سارا صلہ موصول محل نصب میں ہے۔

③ وَاَنّی فَضَّلتُـکم علی العٰلمین:

[وَ] عاطفہ ہے جس سے مابعد والی عبارت بھی "اذکـروا" کے مفعول (نعـمتی) پر عطف

ہو کر محلاً منصوب ہوگی [اَنِّیْ] "اَنَّ" اور اس کے اسم منصوب "ی" (یائے متکلم) پر مشتمل ہے اس (اَنَّ) کی خبر اگلا جملہ ہے [فَضَّلْتُکُمْ] میں "فَضَّلْتُ" فعل ماضی معروف مع ضمیر الفاعل (انا) ہے اور "کُمْ" (ضمیر منصوب متصل) اس کا مفعول بہ اوّل ہے [علی العلمین] جار (علی) اور مجرور (العلمین) مل کر فعل "فَضَّلْتُ" کے دوسرے مفعول کا کام دے رہا ہے۔ یا اسے متعلق فعل (فَضَّلْتُ) سمجھ لیجئے۔ اور یوں یہ فعل فاعل مفعول اور متعلق فعل (یا مفعول ثانی) مل کر (فضلتکم علی العلمین) "اَنِّیْ" کی خبر ہے اور یہ پورا جملہ "وَ" کے ذریعے سابقہ جملے کا ہی ایک حصّہ (بلحاظ مضمون) بن جاتا ہے۔

(۴) واتقوا یومًا لا تَجْزِی نفسٌ عن نفسٍ شیئًا

[وَ] واو عاطفہ ہے اور [اتقوا] فعل امر معروف صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جس میں ضمیر الفاعلین "انتم" مستتر ہے اور یہ (اتقوا) ابتدائی واو عاطفہ کے ذریعے گزشتہ آیت کے فعل "اذکروا" (دیکھئے اوپر ۲) پر عطف ہے۔ [یومًا] یہ فعل "واتقوا" کا مفعول بہ ہو کر منصوب ہے بعض نحویوں نے یہاں اس کو مفعول فیہ یعنی ظرف (قرار دے کر منصوب) سمجھا ہے۔ نصب کی وجہ تو دونوں ہو سکتی ہیں مگر مفعول فیہ سمجھنے کی صورت میں مفہوم یہ ہو جاتا ہے "کہ تم اس دن میں (یعنی قیامت میں) ڈرنا (یا بچنا)" اور یہ مفہوم غلط ہے کیونکہ اس وقت ڈرنے کا حکم دینے کا تو کوئی تک نہیں بنتا۔ لہٰذا یہاں "یومًا" مفعول بہ ہے یعنی اس دن سے بچو یا ڈرو۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مترجمین نے اس کا (واتقوا یومًا) کا ترجمہ "یومًا" کو مفعول بہ سمجھ کر ہی کیا ہے —— اور یومًا کے مفعول بہ ہونے کا مطلب اس دن کے عذاب یا خطرات کا مفعول بہ ہونا ہے گویا تقدیر (اصل مراد) عبارت ہے "واتقوا ھَوْلَ یومٍ یا عذابَ یومٍ" یعنی آج سے ہی اس دن کے خطرات یا عذاب سے ڈرو یا بچو۔ [لا تجزی] فعل مضارع معروف صیغہ واحد مؤنث ہے [نفسٌ] اس فعل کا فاعل (لہٰذا) مرفوع ہے اور یہ جملہ فعلیہ (لا تجزِی نفسٌ)۔ اپنے بعد کی عبارت سمیت (جو آگے آ رہی ہے) نکرہ موصوفہ "یومًا" کی صفت بن رہا ہے لہٰذا اسے محلاً منصوب کہہ سکتے ہیں بلکہ "یومًا" کی تنکیر (نکرہ ہونے) سے اس میں جو اسم موصول یعنی "جو کہ" والے معنی پیدا ہوتے ہیں اس کے لحاظ سے یہاں ایک ضمیر عائد بھی محذوف ہے گویا تقدیر عبارت یوں ہے "واتقوا یومًا لا تجزی (فیہ) نفسٌ..." (ڈرو اس دن سے جس میں کام نہ آئے گا کوئی . . . .) یہی وجہ ہے کہ بہت سے اُردو مترجمین نے یہاں ترجمہ میں "جب" کا اضافہ کیا ہے یعنی "ڈرو اس دن سے جب . . . ." بعض مترجمین نے اس چیز

کو نظر انداز کر کے ترجمہ کیا ہے یعنی "جب" "جس دن" وغیرہ کے بغیر ہی صرف "کہ" سے ترجمہ کیا ہے۔
[عن نفسٍ] جار (عن) مجرور (نفسٍ) مل کر متعلق فعل (لا تجزی) ہے۔ یا یوں سمجھیے کہ یہ "عن" وہ صلہ ہے جو فعل "جزیٰ یجزی" کے مفعول اوّل پر لگتا ہے۔ (دیکھیے فعل جزیٰ یجزی کے ساتھ دو مفعول لگانے کا طریقہ اور ایک مفعول پر "عن" کے استعمال کے لیے اوپر ہی [۲:۳۱:۱(۲)] میں) یعنی یہاں بلحاظ استعمالِ فعل عبارت "لا تجزی نفسٌ نفسًا" بھی ہو سکتی تھی۔ اس لیے یہاں "عن نفسٍ نفسًا" کی جگہ آنے کے باعث محلاً منصوب ہے [شیئًا] یہ فعل "لا تجزی" کا دوسرا مفعول (لہٰذا) منصوب ہے۔ اور یہ (شیئًا) یہاں مفعول مطلق (جزاءً) کی جگہ لینے کے باعث بوجہ مصدریت (مفعول مطلق یا اس کا بدل ہونے کے باعث) بھی منصوب ہو سکتا ہے۔ اکثر حضرات نے "شیئًا" کو مفعول بہ سمجھ کر ترجمہ میں "کچھ" "کوئی چیز" کا اضافہ کیا ہے تاہم بعض نے اس کو "جزاءً" کا بدل سمجھتے ہوئے ترجمہ میں "کچھ" کی بجائے "بدلہ (بننا)" کا مفہوم سامنے رکھا ہے۔ (دیکھیے تراجم "اللغۃ" میں)

(۵) وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ

[وَ] عاطفہ اور [لا یُقبَلُ] فعل مضارع منفی مجہول صیغہ واحد مذکر غائب ہے جو واو عاطفہ کے ذریعے گزشتہ حصہ آیت والے فعل "لا تجزی ..." پر عطف ہے۔ یعنی "لا تجزی نفسٌ ...." "ولا یُقبل منھا ...." (نہ وہ کام ہو گا اور نہ یہ کام ہو گا) [منھا] جار (من) مجرور (ھا) مل کر یا تو متعلق فعل (لا یقبل) ہے اور یا اگلے لفظ (شفاعۃٌ) کی صفت ہو سکتا ہے اس صورت میں "مِن" کو بیانیہ بھی کہہ سکتے ہیں یعنی کوئی ایسی "شفاعت" جو اس کی طرف سے (پیش) ہو گی (قبول نہ کی جائے گی) [شفاعۃٌ] یہ فعل مجہول (لا یُقبل) کا نائب فاعل ہو کر مرفوع ہے اور فعل (لا یُقبل) بصیغہ تذکیر (مذکر) اس لیے آیا ہے کہ "شفاعۃٌ" (نائب فاعل) مؤنث حقیقی نہیں ہے اور بعض نحوی کہتے ہیں کہ اگر فعل اور اس کے (غیر حقیقی مؤنث) فاعل یا نائب فاعل کے درمیان فاصلہ ہو یعنی درمیان میں کوئی اور لفظ واقع ہو (جیسے یہاں "منھا" آیا ہے) تو فعل کی تذکیر زیادہ بہتر ہے۔ یہ جملہ فعلیہ (لا یقبل منھا شفاعۃٌ) سابقہ جملہ (لا تجزی ... شیئًا) پر عطف ہے اور یہ بھی "یومًا" (واتقوا یومًا ....) جو نکرہ موصوفہ ہے، کی صفت ہے۔ اس لیے اس میں بھی "فیہ" (جس دن کہ جب) محذوف ہے اس طرح منصوب کی صفت ہونے کے باعث یہ جملہ بھی محل نصب میں ہے۔

(۶) وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ ؕ

اس جملے کی ترکیب ہر لحاظ سے سابقہ جملہ (ولا یقبل منھا شفاعۃٌ) سے ملتی جلتی ہے

یعنی [وَ] عاطفہ ہے [لَا یُؤخَذ] فعل مضارع مجہول منفی بلا صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور یہ بھی واو عاطفہ کے ذریعے سابقہ فعل (لا تجزی ..... یا لا یُقبَل) پر عطف ہے (یعنی ... " اور نہ ہی لیا جائے گا) [منھا] جار مجرور متعلق فعل (لا یؤخذ) بھی ہو سکتا ہے اور "مِنْ" بیانیہ ہو تو یہ (منھا) اگلے لفظ (عدلٌ) کی صفت بھی — [عدلٌ] فعل (لا یُؤخذ) کا نائب فاعل (لہٰذا) مرفوع ہے۔ یہ جملہ فعلیہ (لا یؤخذ منھا عدلٌ) بھی "یومًا" (واتقوا یومًا .....) کی صفت واقع ہوا ہے اس لیے یہاں بھی ایک "فیہ" (جب۔ جس میں) محذوف سمجھا جائے گا (ورنہ یہ جملہ صفت نہیں ہو سکتا) اگرچہ بامحاورہ اردو ترجمہ میں بار بار "جب" یا "جس میں" لانا ضروری نہیں بلکہ ایک دفعہ لانا ہی کافی ہے۔ اسی طرح صفت ہو کر یہ جملہ محل نصب میں ہے۔

⑦ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ:

[وَ] عاطفہ اور [لَا] نافیہ ہے اور یہ صرف اگلے فعل (یُنصَرون) کی نفی کے لیے نہیں ہے ورنہ عبارت "وھم لا یُنصَرُون" ہوتی۔ بلکہ یہ "لا" یہاں "لَیْسَ" اور "مَا" (مشابھة بلیس) کے معنی میں ہے اور [ھم] اس ("لا") کا اسم مرفوع ہے اور [یُنصَرونَ] فعل مضارع مجہول، صیغہ جمع مذکر غائب مع ضمیر الفاعلین "ھم"۔ پورا جملہ فعلیہ اس "لا" کی خبر ہے گویا یہ عبارت "وماھم بمنصورین" کے معنی میں ہے اور چاہیں تو یوں سمجھ لیں کہ اصل عبارت تو "ھم (مبتدأ) اور "لا ینصرون (جملہ فعلیہ) خبر تھا مگر نفی پر زور دینے کے لیے "لا" کو مقدم لایا گیا ہے جس سے معنی میں مطلقاً نفی نہیں بلکہ بتاکید نفی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے یعنی "اور نہ ہی وہ . . . "

● آیت کے شروع میں "نفسٌ" (مؤنث سماعی) بطور فاعل مذکور تھا اس کے لیے فعل (لا تجزی) بھی بصیغۂ تانیث ہی آیا۔ اور بعد میں اس (نفس) کے لیے ہی دو دفعہ ضمیر واحد مؤنث (ھا) آئی (منھا کی شکل میں) اگر یہاں آخر پر "وھی لا تنصرُ" کی بجائے "وھم لا یُنصَرون" آیا ہے۔ واحد مؤنث سے جمع مذکر کی طرف جانے کی وجہ یہ ہے کہ در اصل عبارت میں "نفسٌ" نکرہ لا کر کسی ایک "نفس" کی بات نہیں کی گئی بلکہ کئی نفوس ہوں گے جن میں سے ہر ایک کی وہ حالت ہو گی جو شروع آیت میں بیان ہوئی ہے۔ گویا آیت میں "عباد" یا "نفوس" یا "انسانوں" کی بات ہوتی ہے[1] اس لیے آخر پر اس کی مناسبت سے ایک جملہ اسمیہ (جمع مذکر مبتدأ) کے ساتھ لایا گیا ہے کہ "سب" کی یہ حالت ہو گی۔ جملہ اسمیہ لانے میں بعض دیگر معنوی محاسن بھی ہیں جن کا تعلق "علم البلاغت" سے ہے[2]

---

[1] دیکھئے تفسیر بیضاوی تحت تفسیر آیت۔ [2] چاہیں تو دیکھئے "اعراب القرآن وبیانہ" للدرویش ج ۱ ص ۹۸۔

مگر یہ ہمارے دائرہ کار سے باہر ہے

۲:۳۱:۳ الرسم

زیر مطالعہ دو آیات میں صرف چار کلمات بلحاظ رسم عثمانی وضاحت طلب ہیں باقی تمام کلمات کا رسم املائی اور رسم قرآنی یکساں ہیں۔ وہ چار کلمات یہ ہیں: (۱) یبنی (۲) اسراءیل (۳) العلمین (۴) شفاعةٌ تفصیل یوں ہے:

① "یبنی" (جس کا رسم املائی "یا بنی" ہے) قرآن کریم میں —— یہاں اور ہر جگہ بحذف الالف بین الیاء والباء یعنی "یبنی" لکھا جاتا ہے۔

② "اسراءیل" (جس کا رسم املائی "اسرائیل" ہے) قرآن کریم میں اس کے رسم (عثمانی) میں اختلاف ہے اس کی تفصیل اس سے پہلے البقرہ: ۲۸ [۲ : ۲۸ : ۳] میں بیان ہو چکی ہے۔

③ "العلمین" (جس کا رسم معتاد "العالمین" ہے) کا قرآنی رسم —— یہاں اور ہر جگہ بحذف الالف بعد العین یعنی بصورت "العلمین" ہے نیز دیکھئے الفاتحہ: ۲ [۱ : ۲ : ۳]

④ "شفاعة" کے رسم عثمانی میں اختلاف ہے عرب اور بیشتر افریقی ممالک کے مصاحف میں اسے ابوداؤد کی طرف منسوب تصریح کی بناء پر بحذف الف بعد الفاء یعنی بصورت "شفعة" لکھا جاتا ہے جب کہ لیبیا کے مصاحف میں الدانی کی عدم تصریح کی بناء پر اسے باثبات الف (شفاعة) لکھا جاتا ہے۔ برصغیر کے رسم عثمانی کے بارے میں اہتمام کرنے والے متعدد مصاحف (مثلاً انجمن حمایت اسلام لاہور اور بمبئی سے شائع ہونے والے "یعنی قرآن مجید") میں بھی اسے باثبات الف ہی لکھا گیا ہے۔ صاحب نثر المرجان نے بھی یہاں اثباتِ الف کو "عند الاکثر" کہا ہے [۱]

۲:۳۱:۴ الضبط

زیر مطالعہ آیات کے کلمات میں ضبط کے اختلافات مندرجہ ذیل نمونوں کے ذریعے سمجھے جا سکتے ہیں:

یٰبَنِيْٓ ، یٰبَنِیْ ، یٰبَنِیٓ ، یٰبَنِیْٓ / اِسْرَاۗءِیْلَ ، اِسْرَائِیْلَ ، إِسْرَاءِیلَ ، إِسْرَاۤءِیلَ / اذْكُرُوْا ، اُذْكُرُوا ، اُذْکُرُوا / نِعْمَتِیَ ، نِعْمَتِیَ / الَّتِیْٓ ، الَّتِی ، اَلَّتِی ، اَلَّتِیٓ / اَنْعَمْتُ ، أَنْعَمْتُ ، ءَانْعَمْتُ /

عَلَيْكُمْ ، عَلَيْكُمْ / وَاَنِّيْ ، اَنِّىْ ، أَنِّیْ ، أَنِّیْ / فَضَّلْتُكُمْ ،
فَضَّلْتُكُمْ / عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ، الْعٰلَمِيْنَ ، الْعٰلَمِيْنَ ،
اَلْعٰلَمِيْنَ / وَاتَّقُوْا ، وَاتَّقُوا ، وَاتَّقُوْا ، وَاتَّقُوْا / يَوْمًا ،
يَوْمًا / لَّا تَجْزِيْ ، لَا تَجْزِیْ ، لَا تَجْزِیْ ، لَا تَجْزِیْ /
نَفْسٌ ، نَفْسٌ / عَنْ ، عَنْ ، عَنْ / نَّفْسٍ ، نَفْسٍ ، نَفْسٌ /
شَيْئًا ، شَيْئًا ، شَيْئًا / وَّلَا يُقْبَلُ ، وَلَا يُقْبَلُ ، وَلَا يُقْبَلُ /
مِنْهَا ، مِنْهَا / شَفَاعَةٌ ، شَفَاعَةٌ ، شَفٰعَةٌ (بحذف الف)
شَفَاعَةٌ / وَّلَا يُؤْخَذُ ، وَلَا يُؤْخَذُ ، وَّلَا يُؤْخَذُ / مِنْهَا /
عَدْلٌ ، عَدْلٌ / وَّلَا وَلَا وَلَا وَلَا / هُمْ ، هُمْ / يُنْصَرُوْنَ
يُنْصَرُوْنَ ، يُنْصَرُوْنَ -

نوٹ: [۲:۱۶:۴] میں نمونہ ہائے ضبط کے آخر پر ملحوظ (نوٹ) میں ۱ اور ۲ پر بھی نظر ڈال لیجئے جس کی مثالیں مندرجہ بالا نمونوں میں بھی موجود ہیں۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔